سفیان بن عیینہؒ اوران کی تفسیری خدمات

اشہد رفیق ندوی

(قدیم مفسرین کے حالات اور ان کی تفسیری خدمات کے تعارف و تجزیہ کا سلسلہ علوم القرآن کے پچھلے کئی شماروں سے جاری ہے۔ اس شمارے میں حضرت سفیان بن عیینہ کی تفسیری خدمات کا ایک مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے۔ موصوف کو عظیم محدث کی حیثیت سے شہرت دوام حاصل ہے، مگر ان کے تفسیری کارناموں سے لوگوں کو نسبتہً کم واقفیت ہے۔ جبکہ یہ مسلم حقیقت ہے کہ علم تفسیر سے ان کو خصوصی دلچسپی تھی اور اس فن کی ترویج و اشاعت میں انہوں نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں، لیکن اس کا کماحقہ تعارف نہیں ہو سکا، ان کی شخصیت کے اسی مخفی پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے محترم احمد صالح محائری صاحب نے ان کے ذاتی حالات اور تفسیری خدمات پر ایک جامع، مدلل اور مفید کتاب "تفسیر ابن عیینہ" کے نام سے تصنیف کی ہے جو ۱۹۸۳ء میں مکتبہ اسامہ، ریاض سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ کتاب عربی زبان میں ہے اور ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، اسی کی مدد سے اُردو داں طبقہ کی واقفیت و استفادہ کے لیے ذیل میں ابن عیینہ کی شخصیت اور تفسیری خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ ادارہ)

ابو محمد سفیان بن عیینہ شعبان المعظم ۱۰۷ھ/ ۷۲۵ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد ابو عمران عیینہ والی عراق خالد بن عبداللہ القسری کی حکومت میں ایک اہم عہدہ پر فائز تھے،

عراق میں سیاسی رسہ کشی کے نتیجہ میں جب خالد حکومت سے معزول کردیئے گئے تو ان کے کارندے بھی نئے حکمرانوں کے عتاب کا نشانہ بنے اور سب کی گرفتاری کا حکم جاری ہو گیا۔ عیینہ کسی طرح وہاں سے اہل وعیال کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور مکہ میں آکر پناہ لی۔ پھر یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

تعلیم وتربیت :

ابن عیینہ کی پیدائش اور ابتدائی نشوونما کوفہ میں ہوئی جو اس وقت عرب وعجم کی مشترک تہذیب کا گہوارہ تھا۔ وہاں کے باشندوں کی علم وتحقیق سے دلچسپی اور دعوت وعبادت سے رغبت ضرب المثل تھی، پھر یہاں سے ہجرت کے بعد دوسرے مرحلے میں ان کی تعلیم وتربیت مکۃ المکرمہ میں ہوئی، جو صدر اسلام سے مسلمانوں کا دینی وعلمی مرکز قرار پاچکا تھا، مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے وہاں مختلف علوم وفنون کے ماہرین ہر وقت موجود رہتے تھے اور حج وعمرہ کی غرض سے پورے عالم اسلام سے علماء وماہرینِ فن کی آمد ورفت کا سلسلہ اس پر مستزاد تھا، جس کی وجہ سے وہاں کی فضا میں علمی رنگ غالب آگیا تھا۔ ہر طرف علمی مجلسیں منعقد ہوتیں، درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا اور لوگ دعوت وتبلیغ کے کاموں میں لگے رہتے، ان دونوں مقامات کی علمی فضا اور دینی ماحول کا ابن عیینہ کی شخصیت کی تشکیل میں بڑا گہرا اثر پڑا۔ پھر ان کے والد جو اگرچہ خود بہت زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن علم کے بڑے شیدائی تھے اور اُن کی بڑی خواہش تھی کہ ان کی اولاد علم کی دولت سے مالا مال ہو، اللہ تعالیٰ نے معاشی فراخی بھی عطا کر رکھی تھی، انہوں نے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے اپنے لائق فرزند کو عصری علوم وفنون میں مکمل عبور حاصل کرانے کی ہر ممکن کوشش کی اور انہیں زمانہ کے معروف علماء وماہرین سے اخذ واستفادہ کے تمام مواقع بہم پہنچائے۔

ابن عیینہ نے تعلیم کا آغاز حفظ قرآن پاک سے کیا اور اپنی خداداد ذہانت کی بناء پر سات ہی سال کی عمر میں حفظ مکمل کر لیا۔ پھر زمانہ کے مروجہ طریقۂ تعلیم کے مطابق زبان وادب کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ثانوی مرحلے میں تفسیر، حدیث، فقہ، قرأت اور دیگر علوم سیکھے۔ اس کے بعد انہوں نے حدیث وتفسیر کو اپنے مطالعہ کا خاص موضوع بنایا اور ان فنون میں مہارت حاصل کی۔

اس وقت نقل وحمل اور رسل ورسائل کی دشواریوں کے باوجود تشنگانِ علم دور دراز کے سفر کی مشقتیں برداشت کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ ابن عُیینہ نے بھی اس سلسلہ میں مدینہ، بغداد، بصرہ، کوفہ، یمن اور عدن وغیرہ کے کئی سفر کیے اور وہاں کے شہرۂ آفاق اساتذہ وائمۂ فن سے استفادہ کیا، جن میں عمرو بن دینار، ابن شہاب زہری، جعفر الصادق، حمید بن قیس الاعرج، ابراہیم بن یحییٰ، اوزاعی، زیاد بن سلامہ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔ ان اسفار میں کسب فیض کے ساتھ ساتھ ابن عیینہ خود اپنی لیاقت وصلاحیت سے لوگوں کو فیضیاب بھی کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں کوفہ کا ایک واقعہ خود ابن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ کم عمری ہی میں ایک بار وہ کوفہ گئے اور وہاں امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات ہوئی۔ امام صاحب ابن عیینہ کی صلاحیت اور قوت حافظہ سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے شاگردوں کو مشورہ دیا کہ ابن عیینہ نے عمرو بن دینار کا پورا ذخیرۂ علم اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا ہے۔ موقع غنیمت ہے، ان سے فائدہ اٹھالو۔ چنانچہ ان کے شاگردوں نے ابن عیینہ سے بہت سے سوالات کیے اور انہوں نے جواب سے مطمئن کیا۔[۱]

وفات :

تکمیل تعلیم کے بعد انہوں نے تفسیر وحدیث کی خدمت کو اپنا مستقل مشغلہ بنایا اور تدریس و تالیف کے ذریعہ زندگی بھر اسی کام میں لگے رہے، تاآنکہ جمادی الاولی ۱۹۸ھ/۸۱۴ء میں جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ مکۃ المکرمہ ''کے مشہور قبرستان ''مقبرۃ المعلاۃ'' میں تدفین ہوئی۔ آپ کی وفات پر معاصر علماء نے جن جذبات وخیالات کا اظہار کیا ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی دنیا میں اس سانحہ کو بہت شدت سے محسوس کیا گیا۔

اخلاق واوصاف :

حضرت سفیان بن عیینہ نہایت متقی و پرہیزگار، خلیق وملنسار، سخی وامانت دار اور حق گو و بے باک شخص تھے۔ ان کے اندر تواضع وخاکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ امامِ وقت ہونے کے باوجود معاصر علماء ومحدثین سے بڑی خندہ پیشانی سے ملتے۔ شاگردوں اور چھوٹوں

سے بھی روایتیں حاصل کرتے اور ان کے حوالہ سے بیان کرنے میں کبھی عار محسوس نہ کرتے تھے، ان کی اخلاقی بلندی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ ہر طبقہ میں یکساں طور پر مقبول تھے۔ ذاتی طور پر ان کی کسی سے عداوت یا چپقلش نہ تھی۔

وہ فطرتاً نہایت سادہ مزاج تھے۔ ان کا میلان زہد کی جانب تھا، مگر اس میں وہ روایتی متصوفیاء کی طرح غلو کے قائل نہ تھے۔ زہد کا ان کے نزدیک ایک متعین مفہوم تھا۔ وہ خود اس پر عمل پیرا تھے اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے روکا ہے ان سے پرہیز اور جن کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کی تعمیل ہی اصل زہد ہے اور انبیاءٔ علیہم السلام کی سنت بھی یہی ہے، وہ عبادت و ریاضت بھی کرتے تھے، اہل و عیال کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے تھے، کھاتے پیتے بھی تھے اور اصلاح و دعوت کے کاموں میں معروف بھی رہتے تھے۔ یہی صحیح طرز عمل ہے اور اسی کی پیروی کرنی چاہیئے[۲]۔

عقیدہ و مسلک :

عقیدۃً وہ اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے اور معتزلہ، مرجیہ اور قدریہ جیسے فرقوں کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے معتزلہ کے نظریہ خلق قرآن کی بڑی شدت سے تردید کی ہے اور اس نظریہ کے حاملین کو نصاریٰ سے تشبیہ[۳] دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں جو ناقابل بیان صعوبتیں برداشت کیں۔ ان میں ان کے استاذ ابن عیینہؒ کی تربیت و حمایت کا بھی بڑا دخل تھا۔

فقہی مسلک میں احناف انہیں فقہ حنفی کا پیرو بتاتے ہیں، کیونکہ ابن عیینہ نے امام ابو حنیفہؒ سے کوفہ میں استفادہ کیا تھا اور ان سے بہت متاثر تھے، شوافع بھی ان سے اپنا انتساب قائم کرتے ہیں، کیونکہ وہ امام شافعیؒ کے استاذ تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے شیعی ماخذ میں انھیں اہل تشیع کا نمائندہ بتایا گیا ہے[۴] جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ کسی خاص مسلک سے وابستہ نہ تھے بلکہ وہ بجائے خود امام و مجتہد تھے۔ تمام شرعی ماخذ پر ان کو دسترس حاصل تھی، وہ خود مسائل کا استنباط کرتے اور لوگ ان کی تقلید کرتے تھے۔

علمی کارنامے :

ابن عیینہؒ کی پوری زندگی تعلیم و تعلم میں گذری، انہوں نے بے شمار علماء و ماہرین فن سے کسب فیض کیا اور بڑی تعداد میں طالبانِ علم ان سے فیضیاب ہوتے جن میں سے بعض نے علم و فن کی دنیا میں اپنا مخصوص مقام پیدا کیا اور خود بھی مرجع خلائق بنے۔ ان میں امام شافعیؒ احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، اصمعی، ابراہیم المنذر، حماد بن زید، احمد بن ابی داود، یحییٰ بن معین وغیرہ کے اسمائے گرامی خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

ابن عیینہؒ کے عہد تک علم کو سینہ بہ سینہ محفوظ کرنے کی روایت چلی آرہی تھی، ابھی تصنیف و تالیف کا رواج زیادہ نہیں ہوا تھا، اس لیے ان کے اوقات کا بیشتر حصہ بھی تعلیم و تدریس ہی میں گذرا۔ ساتھ ہی انہوں نے تفسیر و حدیث کے موضوع پر دو گرانقدر کتابیں بھی ترتیب دیں، جن کے آثار و نقوش کسی قدر اب بھی باقی ہیں۔

شخصیت کے دو اہم پہلو۔ محدث، مفسر :

ابن عیینہؒ کی شخصیت جامع کمالات تھی اور ان کو متعدد علوم و فنون میں درک حاصل تھا، جیسا کہ ان کی مرویات سے اندازہ ہوتا ہے۔ مگر فنِ حدیث و تفسیر میں ان کو اختصاص کا شرف حاصل تھا اور ان کی علمی سرگرمیاں زیادہ تر انہی دونوں علوم کے ساتھ مخصوص رہی ہیں۔

فنِ حدیث میں ان کو خاص شہرت حاصل تھی، اس فن کے فروغ و ارتقاء میں انہوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ نصف صدی تک اس فن کے امام تسلیم کیے جاتے رہے ہیں۔

فنِ حدیث میں ایک کتاب بھی ان کی جانب منسوب کی جاتی ہے جس کا ماخذ میں "جامع ابن عیینہ" کے نام سے ذکر ملتا ہے[۵] اس کے کچھ صفحات مکتبہ الظاہریہ، دمشق میں اب بھی موجود ہیں، اور محقق محائری کی اطلاع کے مطابق اس کے کچھ صفحات "اخبار المدینہ" "شمارہ ۱۲۸۴" جمعہ ۲۲ صفر ۱۴۰۲ھ کی اشاعت میں شائع بھی ہوئے ہیں[۶] ان شہادتوں سے "جامع ابن عیینہ"

کا وجود تو یقینی ہوجاتا ہے، البتہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ ابن عیینہؒ نے اسے خود ترتیب دیا ہے یا ان کے شاگردوں نے ان کے اقوال و روایات کا مجموعہ تیار کر کے ان کی جانب منسوب کر دیا ہے ایسا زمانہ قدیم سے ہوتا آیا ہے کہ استاد کے انتقال کے بعد کسی شاگرد نے ان کے اقوال، اشعار یا مقالات کا مجموعہ مرتب کر کے استاذ کی جانب منسوب کر دیا ہو، اس کی ایک واضح مثال امام شافعیؒ کی احکام القرآن ہے، جو ان کے انتقال کے دو ڈھائی صدیاں گزرنے کے بعد امام بیہقیؒ نے مرتب کی لیکن وہ امام شافعی کی کتاب کی حیثیت سے جانی جاتی ہے، قرین قیاس یہی ہے کہ ابن عیینہ نے اسے خود ترتیب نہیں دیا ہوگا، بلکہ بعد کے لوگوں نے ان کی مرویات کو جمع کر کے اسے ان کی جانب منسوب کر دیا ہوگا۔ اس قیاس کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ قدیم ماخذ اس کے ذکر سے یکسر خالی ہیں۔

تفسیر سے ان کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی مرویات کا ایک بڑا حصہ قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح سے متعلق ہے، وہ اپنی عام مجلسوں میں قرآنی آیات سے بکثرت استدلال کرتے تھے۔ پھر اس موضوع پر ان کی ایک مستقل تصنیف بھی ہے، جو بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن حدیث کے بالمقابل ان کی تفسیری خدمات کا بہت کم تعارف ہوسکا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کے عہد تک حدیث و تفسیر کی فنی تقسیم نہیں ہوئی تھی فن تفسیر بھی حدیث کے وسیع مفہوم میں شامل تھا۔ اسی وجہ سے ان کی خدمات کا یہ پہلو زیادہ نمایاں نہ ہوسکا۔

تفسیر ابن عیینہؒ :

اس بات پر تمام ماخذ متفق ہیں کہ ابن عیینہؒ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ یہی نہیں بلکہ ابن حجرؒ، سیوطیؒ اور شوکانیؒ وغیرہ نے اس کا جس طرح سے اپنی کتابوں میں حوالہ دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں یہ کتاب معروف و متداول تھی اور ان بزرگوں نے براہ راست اصل کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ شوکانی کا سالِ وفات ۱۲۵۰ھ ہے، اس لیے اس کتاب کا کم از کم تیرہویں صدی ہجری کے نصف تک وجود ثابت ہوجاتا ہے۔ بعد کے ماخذ البتہ اس کے ذکر سے خالی ہیں۔

جناب احمد صالح محائری نے اس نایاب کتاب کی تلاش و جستجو کی ہر ممکن کوشش کی، تمام اہم کتب خانوں اور عجائب گھروں سے رابطہ قائم کیا، لیکن جب اس کا کوئی سراغ نہ لگا، تو انہوں نے اس کمی کی تلافی کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ ابن عیینہ کے تمام تفسیری اقوال و روایات جن کا حدیث و تفسیر کی کتابوں میں بکثرت حوالہ آیا ہے، اکٹھا کرکے "تفسیر ابن عیینہ" کے نام سے شائع کر دیا جائے، اس طرح سے اس عظیم علمی نقصان کی کسی حد تک تلافی ہو جائے گی، چنانچہ انہوں نے اس منصوبہ پر کام شروع کر دیا، مگر یہ منصوبہ بہت بڑا اور مشکل نیز گوناگوں مشکلات سے گھرا ہوا تھا سب سے پہلے ماخذ کی فراہمی کا مسئلہ تھا اس کے لیے انہوں نے مصر، ترکی اور انگلینڈ وغیرہ کا دورہ کیا، پھر ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرکے سفیان کی روایتوں کی نشان دہی بھی بہت لمبا کام تھا، اسی درمیان ایک اور دشواری یہ پیش آگئی کہ سفیان ابن عیینہ اور سفیان ثوری کے اقوال و روایات میں اشتباہ ہونے لگا، اتفاق سے دونوں میں کئی مناسبتیں اکٹھا ہو گئی تھیں۔ دونوں کے نام، وطن، زمانہ، اساتذہ تلامذہ، رواۃ سب تقریباً ایک ہی ہیں، ان دونوں کی روایتوں میں کہیں کہیں ابن عیینہ یا ثوری کی صراحت کر دی گئی ہے۔ لیکن روایتوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو صرف سفیان کے نام سے مروی ہیں ۔ ثوری اور ابن عیینہ کی روایتوں کو الگ کرنے میں محائری کو بہت زیادہ محنت کرنی پڑی، انہوں نے پہلے ثوری اور ابن عیینہ کی روایتوں کو الگ الگ کارڈ پر نوٹ کیا، پھر سفیان کے نام سے جو مخلوط روایات تھیں ان کا دوسرے ماخذ اور دوسرے ذرائع سے جو روایتیں منقول تھیں ان سے موازنہ کرکے کسی طرح اس مشکل پر قابو پانے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح ان دشوار گزار مراحل سے گذر کر یہ نیا مجموعہ مرتب ہوا۔

یہ مجموعہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کی ترتیب مصحف عثمانی کی ترتیب کے مطابق ہے۔ پہلے آیت نقل کی گئی ہے، اس کے بعد ابن عیینہ سے مروی کوئی حدیث یا امر نقل ہوا ہے، اس میں ۷۰ سورتوں سے متعلق تقریباً ڈھائی سو روایات جمع کی گئی ہیں۔[۱]

ان آثار و روایات کی جمع و ترتیب کے علاوہ محقق محائری نے اسناد پر جرح و تعدیل، روایات کا مرتبہ و مقام، ماخذ کی نشاندہی، شواہد کی فراہمی اور ایسی بہت سی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت و افادیت دوچند ہو گئی ہے اور اس کی روشنی میں آیات

کی تفہیم و تشریح بہت آسان ہو گئی ہے۔

محقق محارُی نے جس محنت، لگن اور جانفشانی سے روایات کو اکٹھا کر کے ترتیب دیا ہے اس سے بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے ابن عیینہ کی بیشتر مرویات کا استقصاء کر لیا ہو گا، جن سورتوں سے متعلق کوئی روایت نہیں پائی جاتی، بہت ممکن ہے کہ ابن عیینہ نے ان سے متعلق کچھ کہا ہی نہ ہو، کیونکہ اس وقت تک بالترتیب ہر سورہ یا ہر آیت کی تفسیر کرنے کا رواج نہ تھا، بلکہ صرف اہم اور مشکل مقامات کی تشریح کر دی جاتی تھی۔ محارُی کی اس کوشش سے ابن عیینہ کی گم شدہ تفسیر کی کسی حد تک تلافی تو ضرور ہو جاتی ہے مگر اصل تفسیر کی تلاش و جستجو کی ضرورت ختم نہیں ہوئی۔ اب یہ علماء و محققین کا فرض ہے کہ اس عظیم علمی ورثے کی تلاش و جستجو کی کوشش کریں۔

منہج تفسیر :

ابن عیینہ کے عہد تک تفسیر قرآن کا صرف ایک ہی طریقہ رائج تھا، جسے اصطلاح تفسیر میں تفسیر بالماثور کے نام سے جانا جاتا ہے، تفسیر بالماثور کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ کسی آیت کا معنی و مفہوم اگر قرآن کریم ہی کی کسی آیت سے واضح ہوتا ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی نیز صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار سے اس پر روشنی پڑتی ہو تو اسے تفسیر بالماثور کہتے ہیں[۱۱]۔ ابن عیینہ نے اپنی تفسیر میں اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں سب سے پہلے آیات کی تفسیر و تاویل دیگر مماثل آیات کی روشنی میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً سورہ ص میں نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (وہ بہترین بندہ اور اللہ کی جانب بکثرت رجوع کرنے والا ہے) دو جگہ مختلف سیاق و سباق میں آیا ہے، ایک جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش حالی و فارغ البالی عطا کی تھی اس پر وہ فخر کرنے کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ یہ چیز اس کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، دوسری جگہ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں یہ فقرہ آیا ہے، جہاں ان کی طویل علالت و آزار کا ذکر ہے کہ اس حال میں بھی وہ واویلا نہیں کرتے بلکہ مصیبت پر صبر کرتے اور اس آزار سے

نجات کے لیے اللہ کی جانب رجوع کرتے تھے، پھر ان دونوں آیات کی روشنی میں صبر و شکر کا مفہوم متعین کیا ہے۔[۱۲] دوسرے مرحلہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و فرمودات کی روشنی میں مشکل مقامات کی تشریح کرتے ہیں، جیسے سورہ فاتحہ میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کی تفسیر میں انہوں نے یہ حدیث بیان کر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔[۱۳] احادیث نہ ملنے کی صورت میں صحابہ کرام کے آثار کا سہارا لیتے ہیں، اس کی مثال آیت حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (بقرہ: ۲۳۸) ہے جس میں انہوں نے حضرت علیؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صلوٰۃ عصر ہے۔[۱۴] صحابہ کے آثار بھی نہ ملنے کی صورت میں تابعین عظام کے اقوال سے مدد لیتے ہیں۔ آیت "إِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ (یونس: ۲) میں قدم صدق کا مصداق حضرت زید بن اسلمؒ (تابعی) کے حوالے سے رسول اللہؐ کو بتایا ہے۔[۱۵] قرآن مجید میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کے بارہ میں روایات بالکل خاموش ہیں۔ ایسی صورت میں مفسرین آیات کے معنی و مفہوم کی تعیین کلام عرب، نظم کلام، سیاق و سباق نیز دیگر ضروری معلومات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ابن عیینہ نے بھی بہت سے مقامات پر اجتہاد و استنباط سے کام لیا ہے۔ دعاؤں کی مقبولیت کے سلسلہ میں وہ قصہ ابلیس سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی دعائیں قبول کرتا ہے، جب اس نے شیطان ملعون کو بھی اپنے دربار سے مایوس نہیں لوٹایا تو بندۂ مومن کو کیوں کر مایوس کرے گا، اس لیے اس سلسلہ میں کبھی بد دل نہ ہونا چاہیئے، اور اس سے برابر لو لگائے رہنا چاہیئے۔[۱۶]

خصوصیات :

قدیم تفسیروں میں اسرائیلیات کس قدر در آئی ہیں۔ یہ امر اہل نظر سے مخفی نہیں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن عیینہ کی تفسیر اس سے بالکل پاک ہے، ان کی جانب منسوب پورے تفسیری ذخیرہ میں زیادہ سے زیادہ دو مقامات ایسے ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اسرائیلیات کو قبول کیا ہے۔[۱۷] کاش یہ اقوال بھی نہ آئے ہوتے۔

تفسیر قرآن میں کلامی مباحث کا آغاز ابن عیینہ کے عہد میں ہو گیا تھا، معتزلہ، مرجیہ، قدریہ جیسے فرقے عقلیت پسندی کی بنیاد پر قرآن کی من مانی تفسیر کرتے، ابن عیینہ کی تفسیر میں بھی کلامی مباحث پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے جابجا ان مبتدعین کا زبردست تعاقب کیا ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت کے حق میں دلائل فراہم کیے ہیں وہ معتزلہ کے نظریہ خلق قرآن کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو لوگ قرآن مجید کو خدا کا کلام نہیں مانتے وہ اس کی لعنت کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی درست نہیں ہے[۱۸]۔

ابن عیینہ کو قرأتِ قرآن سے بھی بڑی دلچسپی تھی، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے کم سنی ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ بعد کے تعلیمی مراحل میں انہوں نے علم قرأت سے بھی واقفیت حاصل کی۔ جن تفسیروں میں قرأتوں کے اختلاف کا ذکر ہے۔ ان میں ابن عیینہ کا نام بھی اکثر آیا ہے۔ اپنی تفسیر میں بھی انہوں نے کئی مواقع پر اختلاف قرأت کو نمایاں کیا ہے[۱۹]۔ فن قرأت میں ان کے استاذ حمید بن قیس الاعرج تھے۔

بسا اوقات ابن عیینہ کے یہاں تفسیر اشاری کی جھلک بھی دکھائی پڑتی ہے۔ تفسیر اشاری فن تفسیر کی ایک اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر بیان کی جائے جو اس کے ظاہری مفہوم کے مطابق نہ ہو، البتہ ظاہری اور باطنی مفہوم میں جمع و تطبیق کا امکان ہو، اگرچہ اس طرز تفسیر میں بہت سے خطرات پوشیدہ ہیں لیکن اس کا ثبوت عہد صحابہؓ سے پایا جاتا ہے، اسی لیے کچھ متعین شرطوں کے ساتھ علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔ ابن عیینہؒ نے بھی اپنی فنی مہارت اور علمی بصیرت کی بنیاد پر متعدد مقامات پر ایسی تفسیریں کی ہیں جو تفسیرِ اشاری کے قبیل ہی میں شمار ہوں گی۔ مثلاً آیت وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ (سورہ النجم: ۸۸) اور تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ... الی ... وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (سورہ السجدہ: ۱۶) میں دونوں جگہوں پر ابن عیینہ نے رزق سے مراد قرآن مجید کو بتایا ہے[۲۰]، جبکہ اس کا ظاہری معنی کچھ اور ہی سمجھ میں آتا ہے۔

قرآن مجید شریعت اسلامیہ کا بنیادی ماخذ ہے، اس میں کئی سو آیات احکام و مسائل سے متعلق آئی ہیں، اسی وجہ سے مفسرین قرآن مجید کی تفسیر کے وقت فقہی مسائل پر بھی بحث

کرتے ہیں، مگر ابن عیینہ کی تفسیر میں فقہی مباحث بالکل نہیں پائے جاتے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دانستہ طور پر فقہ و فتاوی سے گریز کرنے کی کوشش کی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ ابن خلکان، وفیات الاعیان، بیروت ۲/۳۹۳

۲ ابونعیم احمد الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتاب العربی، بیروت ۷/۲۹۷

۳ حلیۃ الاولیاء ۷/۲۹۶

۴ عبد القادر ابن ابی الوفاء، الجواہر المضیئۃ، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ، نووی، تہذیب الاسماء، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱/۲۲۵۔ ابو العباس النجاشی، الرجال، بغداد ص ۱۳۵، ۱۲۵

۵ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، بیروت، ص ۵۲، مصطفی اعظمی، دراسات فی الحدیث النبوی، بیروت ص ۲۶۳، زرکلی، الاعلام بیروت ۳/۱۵۹ سزکین: تاریخ التراث العربی، الھیئۃ المصریۃ العامۃ، مصر ۱/۲۷۳

۶ تفسیر سفیان بن عیینہ ص ۱۶۳

۷ ابن حجر، المعجم المفہرس (تجرید اسانید الکتب) جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کے شعبہ مخطوطات میں ص ۸۹۷ یہ کتاب موجود ہے۔

۸ و ۹ تفسیر ابن عیینہ ص ۱۹۳

۱۰ یہ مجموعہ، محقق محائری کی کتاب میں مستقل ایک باب کے طور پر شامل ہے۔

۱۱ محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون، بیروت ۱/۱۵۲

۱۲ تفسیر ابن عیینہ ص ۳۱۳، ۱۳ ایضاً ص ۲۰۲ ۱۴ ایضاً ص ۲۲۰ ۱۵ ایضاً ص ۲۲۶

۱۶ ایضاً ص ۲۵۳ ۱۷ محقق محائری نے صرف دو مقامات پر اسرائیلیات کا شبہ کیا ہے دیکھئے تفسیر بذیل آیات سورہ یوسف: ۷، وسورہ نمل: ۲۱ ۱۸ ایضاً ص ۳۶۶

۱۹ ابو الخیر الجزری، غایۃ النہایہ فی طبقات القراء، مصر ص ۱۰۹۷ و تفسیر ابن عیینہ ص ۳۶۸

۲۰ تفسیر ابن عیینہ ص ۲۸۲ و ص ۳۰۷